صدر اول میں علم اصولِ فقہ کی نشو ونما

ڈاکٹر تاج محمد

اصول فقہ کی تدوین اور اس کا ارتقائی عمل تمام تر تدریجی ہے یہ کسی ایک شخص کی کاوشوں کا نتیجہ نہیں اور نہ ہی یکبارگی اس کے جملہ قواعد و اصول وضع کئے گئے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے پیچھے ایک صدی سے زائد عرصہ کی اکابرین امت کی محنت شاقہ، جہدِ مسلسل اور سعی پیہم کارفرما ہے۔ سالہا سال قرآن وحدیث میں غور وفکر کے نتیجے میں اور آثارِ صحابہ کی روشنی میں فقہائے کرام نے جو اجتہادات کئے ہیں انہی کی بنیاد پر اصول فقہ کی تدوین ہوئی ہے۔ بعد میں آنے والوں نے اسے مزید وسعت وترقی دے کر اس علم کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں اسے دیگر علوم کے مقابلے میں ایک نمایاں مقام اور ممتاز حیثیت حاصل ہوگئی۔

صدر اول میں چونکہ اصولِ فقہ کی بنیاد پڑ چکی تھی اور اس کے بہت سے اہم قواعد خود اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وضع فرما دیئے تھے جن میں اسلامی قانون سازی کا منہاج اور اس کے بنیادی اصول طے ہوئے اور عمومی رہنمائی مہیا فرما دی گئی۔ قارئین کی دلچسپی کیلئے چند نظائر پیش کئے جاتے ہیں جو اصولِ فقہ کے قواعد کے حوالے سے خود صحابہ کرام کی زبانوں سے صادر ہوئے۔

۱۔ ہجرت کے بعد شراب نوشی حرام قرار دی گئی تھی۔ شراب پر پابندی کا حکم تو نازل ہو چکا تھا لیکن اس حکم کی خلاف ورزی یعنی شراب نوشی کی صورت میں کوئی معینہ سزا طے یا تجویز نہیں کی گئی تھی۔ شرابی کیلئے سزا کا اعلان کرنے کے بعد لاتوں اور مکوں سے حاضرین چند ضربیں لگا دیتے تھے۔(۱) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑوں کی سزا مقرر فرمائی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور تک اسی پر عمل درآمد ہوتا رہا، جب فتوحات میں وسعت ہوئی، جداگانہ تہذیب وثقافت اور مذاہب کے لوگ مسلمان ہوئے تو شراب نوشی کی شکایت عام ہوگئی۔ عادی مجرم آئے دن پکڑے جاتے، سزا اتنی کم تھی کہ باز آنے کے بجائے ان کے عادی مجرم بننے کے امکانات بڑھ گئے۔ اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کے سامنے اس صورتحال کو رکھا اور سزا میں اضافے کی ناگزیریت کا عندیہ

دیا تاکہ روز بروز بگڑتی ہوئی صورتحال پر قابو پایا جا سکے۔ اکابر صحابہ کے درمیان مشاورت ہوتی رہی۔ بالآخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:

انہ اذا شرب ھذی، واذا ھذی افتری فیجب ان یحد القاذف۔(۲)

ترجمہ: یعنی جب وہ شراب پئے گا تو لازماً یاوا گوئی کرے (ہزیان بکے) گا اور جب یاوا گوئی کرے گا تو افترا پردازی بھی کرے گا۔ لہٰذا اس کو وہ سزا دی جائے جو قاذف (کسی بے گناہ عورت پر بدکاری کی تہمت لگانے والے) کو دی جاتی ہے۔

تمام صحابہ نے اس رائے کو بالاتفاق پسند کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس استدلال کو تمام اکابرین کی رائے سے قبول فرمالیا اور شراب نوشی کی سزا ۸۰ کوڑے مقرر فرمادی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس استدلال سے دو قواعد کلیہ کی بنیاد قائم ہوئی: ایک ''حکم بالمال'' اور دوسرا ''سد الذرائع'' جو بعد میں اصولِ فقہ کے دو اہم اور واضح اصولوں کی شکل اختیار کر گئے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ کسی فقہی مسئلے کا فیصلہ کرتے وقت صرف اس کی ظاہری صورت کو ہی نہ دیکھا جائے کہ یہ جائز ہے یا کہ نہیں بلکہ اس کے نتائج کو بھی سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ برائی کو روکنے کیلئے ایسے اقدامات کئے جائیں جس سے اس کے دروازے مسدود ہو جائیں اور ایسا ماحول ہی باقی نہ رہے جس میں برائی کے پنپنے کی گنجائش موجود ہو۔

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عراق فتح ہوا تو سوادی زمینوں کے متعلق صحابہ کرام کے درمیان شدید اختلاف واقع ہوگیا کہ ان زمینوں کا کیا کیا جائے۔ ان زمینوں کے مستقل انتظام اور بندوبست کے بارے میں دو طرح کے نقطۂ نظر سامنے آئے، ایک رائے یہ تھی کہ اس زمین کو فاتحین میں تقسیم کیا جائے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ اقدس میں مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کردی جاتی تھیں۔ دوسری رائے یہ تھی کہ ان زمینوں کو سابقہ مالکان کے پاس رہنے دیا جائے اور ان کی حیثیت صرف مزارع کی ہو زمینوں کا حقِ ملکیت اسلامی ریاست کے پاس ہو۔ ن سے جزیہ لیا جائے اس سے خزانہ میں مستقل آمدنی کے

☆ کتاب وسنت سے اخذ کردہ احکام، فقہی احکام کہلاتے ہیں ☆

ذرائع پیدا ہو جائیں گے۔اس رائے کے حامیوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔دونوں فریق اپنے اپنے نقطہ نظر کو صحیح ثابت کرنے کے لئے دلائل دیتے رہے۔ایک ماہ تک یہ مباحثہ چلتا رہا۔بالآخر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ دیا وہ یہ ہے:

”قد رأيت ان احبس الارضين بعلوجها وأضع على اهلها الخراج، وفى رقابهم الجزية يؤدونها، فتكون فيئا للمسلمين المقاتلة والزرية ولمن ياتى بعدهم. أرأيتم هذه المدن العظام، الشام والجزيرة والكوفة ومصر، لا بدلها من ان تشحن بالجيوش و ادرار العطاء عليهم، فمن أين يعطى هولاء اذا قسمت الارضون والعلوج“۔(۳)

ترجمہ: میری رائے یہ ہے کہ میں ان زمینوں کو ان کے کارندوں سمیت روک رکھوں۔ان پر کام کرنے والوں پر خراج اوران کی اپنی ذات پر جزیہ عائد کر دوں جسے یہ ادا کرتے رہا کریں۔اس طرح یہ زمین مسلمان مجاہدین، ان کی اولاد اور بعد والوں کے لئے آمدنی کا مستقل ذریعہ بن جائیں گی۔آخر آپ لوگ دیکھ رہے ہو کہ یہ بڑے بڑے علاقے شام، عراق، کوفہ اور مصر موجود ہیں جہاں زیادہ تعداد میں فوجیں رکھنی پڑتی ہیں اور انہیں تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں۔اگر یہ زمینیں کارندوں سمیت تقسیم کر دی گئیں تو پھر ان لوگوں کی تنخواہیں کہاں سے دی جائیں گی۔

اس فیصلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ملکی مفاد اور مصلحت کو ملحوظ رکھا۔اسی فیصلہ کی بنیاد پر بعد میں اصولِ فقہ کا ایک اہم اصول قائم ہوا، جسے ”مصالح“ کا نام دیا گیا اور فقہی مسائل کے استنباط کی اساس قرار پایا۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں غلاموں اور لونڈیوں کی خرید وفروخت عام تھی، فتوحات میں جب وسعت ہوئی تو غلاموں اور لونڈیوں کی بہتات ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ کچھ عرصہ اپنی لونڈیوں سے فائدہ اٹھاتے بچہ ہونے کی صورت میں اسے فروخت کر دیتے لہٰذا وہ لونڈی کسی ایک شخص کے پاس مستقل نہ رہتی، اس

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

طرح بچے کی کفالت کا ذمہ کوئی نہ لیتا یہ ایک سماجی برائی تھی جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روکا اور اپنے دور میں ام ولد (باندی) کو فروخت کرنے، تحفہ میں دینے اور میراث میں تقسیم کرنے کی ممانعت فرما دی اور فرمایا کہ جب تک مالک زندہ رہے فائدہ حاصل کرے مالک کے مرنے کے بعد اسے آزاد کر دیا جائے۔(۴) اس سلسلے میں مزید فرمایا:

ما بال رجال یطئون ولائدھم ثم یدعوھن یخرجن لا تأتینی ولیدۃ یعترف سیدھا ان قد ألم بھا الا قد الحقت بہ ولدھا فارسلوھن بعد او امسکوھن۔(۵)

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنی لونڈیوں سے تمتع کرتے ہو پھر انہیں پھرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہو، آئندہ کوئی لونڈی میرے پاس آئی اور اس کے مالک نے اعتراف کیا کہ اس نے اس سے تمتع کیا ہے تو میں اس کا بچہ اس کے ساتھ کر دوں گا اس لئے تم ان باندیوں کو آزاد کر دو یا اپنے پاس رکھو۔

۴۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سب سے اہم مسئلہ مانعین زکوۃ کا تھا، دینی اعتبار سے بھی نہایت اہم وحساس اور ریاستی نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لئے بھی ناگزیر ہوا۔ یوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ کے اطراف کے کچھ قبائل نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اس صورتحال کے پیش نظر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان قبائل کے خلاف جہاد کرنے کا عندیہ دیا کیونکہ خلافت کے لئے دو طرح سے نقصان دہ تھا۔ یعنی زکوۃ کے اہم ترین فریضے سے دست برداری اور مرکزیت میں انتشار۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا استدلال یہ تھا:

کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قال لا الہ الا اللہ عصم من مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ۔(۶)

ترجمہ: آپ ان لوگوں سے کیسے قتال کریں گے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے "لا الہ الا اللہ" کہنے تک قتال

کروں جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہہ دیا اس نے اپنی جان و مال کی حفاظت کر لی، اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے ہاں اگر اس کلمہ کا کوئی حق ہو تو اور بات ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کا استدلال قرآنِ کریم کی اس آیت سے لیا۔

''فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ''۔(۷)

ترجمہ: اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

اس آیت سے یہ اصول اخذ کیا گیا کہ زکوٰۃ اور نماز دونوں لازم وملزوم ہیں اگر ان میں سے ایک فرض بھی ساقط ہوگا تو قتال کا حکم باقی رہے گا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث اور مذکورہ آیت میں بیان کردہ حکم کو سامنے رکھتے ہوئے زکوٰۃ کو نماز پر ''قیاس'' کرتے ہوئے فرمایا:

''واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوٰة والزكوٰة فان الزكوٰة حق المال''۔(۸)

ترجمہ: اللہ کی قسم! اس شخص سے ضرور جہاد کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کی کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد سے دو باتیں خاص طور پر واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ علت مشترکہ کی بنیاد پر ایک مسئلہ کو دوسرے پر قیاس کیا جانا اور دوسرا قرآن وحدیث سے مسئلہ کے استنباط کا اسلوب۔ یہ دونوں باتیں بعد میں اصولِ فقہ کا موضوع اور شریعت کا منبع قرار پائیں۔

۵۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چند دنوں کے لئے کسی غرض خاص مثلاً حج وعمرہ وغیرہ باقاعدہ اجازت لے کر نکلنے کے ماسوا اکابر صحابہ پر مدینے سے نکلنے پر پابندی عائد فرما دی تھی، حالانکہ کسی کی ملکیت یا شخصی آزادی کا حق چھین لینا جائز نہیں۔ لیکن انہوں نے ایسا اس لئے کیا کہ مصلحت عامہ متاثر نہ ہو۔ اس فیصلے میں دو مصالح پوشیدہ تھے۔ ایک یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمام مسائل میں اکابر صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے۔ اگر اکابر صحابہ مدینہ سے باہر جا کر مقیم ہو گئے تو ان کے قیمتی مشوروں سے استفادہ نہیں کر سکیں گے۔ دوسرا یہ کہ اگر یہ حضرت

جزیرۃ العرب سے باہر نکل گئے تو لوگ ان کے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی نسبت سے ہاتھوں ہاتھ لیں گے، زیادہ جائیدادوں کے مالک بن جائیں گے اور اس سے ریاست کا نظم ونسق متاثر ہوگا۔ چنانچہ بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس عمیق بصیرت کا راز افشا ہوگیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ پابندی اُٹھالی تو اکابر صحابہ بلاد اسلامیہ میں پھیل گئے۔ ہر جگہ ان کی پذیرائی ہوئی۔ اس سلسلے کی دو واضح مثالیں ہیں ایک یہ کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بصرہ والوں نے اپنا خلیفہ یا امیر بنا دیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ والوں نے خلیفہ بنالیا۔ ایک اسلامی ریاست میں لوگوں نے کئی کئی امیر بنانا شروع کر دیئے۔ اس طرح ریاست میں فتنہ وفساد ایسا پھیلا کہ اس نے ملک کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ (۹)

۶۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجتہادات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کے دورِ خلافت میں مدینہ میں قحط پڑا۔ کھانے کی اشیاء ناپید ہوگئیں، لوگ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے چوریاں کرنے لگے۔ اس اضطراری صورتحال کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چوری کی سزا ''قطع ید'' کو موقوف کر دیا حالانکہ قرآنِ کریم نے چور کے لئے قطع ید کی سزا مقرر فرمائی ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

''اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا'' (۱۰)

ترجمہ: چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ اجتہادی فیصلہ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے کیا۔ (۱۱) جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لا تقطع الایدی فی السفر'' (۱۲)

ترجمہ: سفر میں چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے اور ''حد'' کو محدود دنوں تک موقوف کرنے سے یہ اصول سامنے آیا کہ شریعت میں بندوں کے حالات واحوال کی بڑی رعایت دی گئی ہے، لہٰذا کسی بھی فیصلہ میں زمانے کے حالات وواقعات کو مدنظر رکھا جائے۔

انہیں آثار کی روشنی میں اصولی قاعدہ رفع الحرج وضع کیا گیا۔

۷۔ مفقود الخبر شوہر کے سلسلے میں یہ اصول تھا کہ اس شخص کے فی الواقع مر جانے کی تحقیق کی

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

جائے یا پھر اس کے ہم عمروں کے انتقال کر جانے کی شرط تھی، اس کے بعد اس عورت کو نکاح ثانی کرنے کی اجازت تھی، ظاہر ہے کہ اس اثناء میں عورت بوڑھی ہو جاتی تھی۔ نکاح کی عمر اس انتظار میں گزر جاتی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس اہم نوعیت کے مسئلے کو اجتہاد کے ذریعہ حل فرمایا۔ آپ نے ان تمام شرائط کو ختم کر کے چار سال تک انتظار کرنے کا حکم دیا۔ چار سال کے بعد عورت کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ (۱۳)

اس اجتہاد کے ذریعہ علمائے اصول نے استصواب کا قاعدہ وضع کیا۔

۸۔ قرآنِ کریم میں بیوہ عورتوں کی عدت کے سلسلے میں واضح ہدایت موجود ہے جو چار ماہ دس دن ہے۔

"وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ٥" (۱۴)

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار مہینے دس دن تک انتظار کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو جلیل القدر صحابی اور فقیہ تھے۔ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے، تو ایک دن آپ کے سامنے ایک عورت کا قضیہ آیا جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا اور اس وقت وہ عورت حاملہ تھی۔ اس کی عدت کا مسئلہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فیصلے میں اس آیت سے استدلال کیا۔

"وَ اُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ"۔ (۱۵)

ترجمہ: حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ ان کا حمل وضع ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ دیا کہ اس عورت کی عدت چار مہینے دس دن نہیں بلکہ وضع حمل ہے۔ اس فیصلے میں آپ کا استدلال یہ تھا......

اشهد ان سورة النساء الصغرى نزلت بعد سورة النساء الكبرى۔ (۱۶)

ترجمہ: "میں گواہی دیتا ہوں کہ چھوٹی سورہ نساء بڑی سورہ نساء کے بعد نازل ہوئی۔

اس فیصلہ میں یہ بتا دیا کہ بعد میں نازل ہونے والا حکم پہلے حکم کا ناسخ ہوتا ہے یا بعض شرائط

کے ساتھ مخصص۔

مذکورہ مثالوں کے علاوہ اور بھی کئی مثالیں کتب احادیث، فقہ اور تاریخ میں موجود ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام بھی اپنے اجتہاد میں اصولی منہاج کا التزام کرتے تھے۔اگر چہ ہر احوال کی صراحت نہیں کی۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے قریب ترین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عہد مبارک زندگی کے ''جواہر'' کونشو ونما دینے اور اسلامی فکر کو آگے بڑھانے کا عہد تھا۔اس بناء پر ان کی زیادہ تر توجہ جہاد اور عمل پر مرکوز تھی، دیگر مسائل پر سوچنے کی فرصت کم تھی، ایک صالح اور اجتماعی سادہ زندگی کے جو مسائل و مصالح ہو سکتے تھے بس وہی زیر بحث آئے۔مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کی وضاحت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تھی، تاہم یہ تعلیمات عموماً اور اصولی اور دستوری رنگ میں تھی۔جنہیں بنیاد بنا کر قانون کی عمارت کھڑی کی جا سکتی تھی۔بہت سی جزئیات کی تشریحات ایسی تھیں جو بڑی حد تک حالات و زمانہ کے تقاضوں پر مبنی تھیں، کہیں تو ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا حکم نافذ کیا اور اکثر ایسا بھی ہوا کہ جو حکم موجود اور مروج تھا اسی میں ترمیم و اصلاح کر کے اپنالیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مسائل کے استنباط کا طریقہ گزشتہ امثلہ سے واضح ہو گیا ہے کہ وہ فیصلہ کرتے وقت کس قدر احتیاط کا مظاہرہ کرتے تھے اور ان کے فیصلوں کا منبع و سرچشمہ قرآن و حدیث ہی ہوتے تھے، اپنی ذاتی رائے کا استعمال بہت کم فرماتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرق استنباط احکام کے متعلق لکھتے ہیں۔

> وکان نهجهم فی الاستنباط انهم کانوا اذا وردت علیهم الواقعة التمسوا حکمها فی کتاب الله، فان لم یجدوا الحکم فیه رجعوا الی السنة، فان لم یجدوه فی السنة اجتهدوا فی ضوء ما عرفوا من مقاصد الشریعة، وما تومئی الیه نصوصها او تشیر، ولم یجدوا عسرا فی الاجتهاد۔(۱۷)

ترجمہ: صحابہ کرام کے استنباط کا منہاج یہ تھا کہ جب بھی ان کے سامنے کوئی مسئلہ

درپیش ہوتا تو اس کا حل کتاب اللہ میں تلاش کرتے۔ اگر اس میں مطلوبہ حکم نہ پاتے تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے اور اگر سنت میں بھی نہ پاتے تو مقاصد شریعت کی روشنی میں اجتہاد کرتے جس کی طرف نصوص شرعیہ نے اشارے کردیئے تھے اور انہیں اجتہاد کرتے ہوئے کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔

اصولِ فقہ کا باقاعدہ علم اور اس کی ہیئت کذائی بعد کی چیز ہے، سلف اس سے بے نیاز تھے، الفاظ سے استفادہ معانی کے لئے عربی زبان میں ملکہ حاصل ہونے کی بناء پر کسی اور چیز کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ احکامِ الٰہی کے استنباط کے لئے جن جن قوانین کی بعد میں ضرورت پیش آئی وہ ان کی گھٹی میں پڑے تھے۔ اسی طرح انہیں اسانید احادیث پر غور وفکر کرنے کی حاجت بھی نہ تھی کیونکہ یہ راویانِ حدیث سب ہم عصر تھے یا قریب العصر۔ اس لئے ان کے حالات ان کے سامنے آئینے کی طرح روشن تھے، جب سلف کا دور ختم ہوا اور تمام علوم صناعت کے در پہ آئے تو فقہاء اور مجتہدین نے ضروری ضروری قواعد وقوانین کو ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت محسوس کی تاکہ ان کی روشنی میں ادلہ شرعیہ سے احکام مستنبط کئے جاسکیں۔ اب یہ قوانین ایک مستقل علم وفن کی شکل اختیار کر گئے جن کا نام۔ ''اصولِ فقہ'' قرار دیا۔

حوالہ جات

۱۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی سنن ابی داؤد، لاہور، زاہد بشیر پرنٹرز، ص ۴۰۲، ج ۳۔ ابی داؤد فرماتے ہیں کہ عروبہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی شاخوں اور جوتیوں سے چالیس ضربیں ماریں۔ شعبہ کی روایت کے مطابق دو لکڑیوں سے چالیس ضربیں لگائیں۔

۲۔ ابوزہرہ الشیخ محمد اصول الفقہ، مصر، دار الفکر العربی ۱۹۵۷ء، ص ۶۔

۳۔ امام ابویوسف، ابراہیم بن یعقوب: کتاب الخراج، مصر، مطبعہ، بولاق ۱۳۵۲ھ، ص ۲۳ تا ۲۷

۴۔ امام مالک بن انس، مؤطا امام مالک، کراچی، میر محمد کتب خانہ، ص ۵۴۰۔

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

ان عمر بن الخطاب قال ایما ولیدة ولدت من سیدها فانه لا یبیعها و لا یهبها و لا یورث وهو یستمتع منها فاذا مات فهی حرة۔

۵۔ ایضاً۔ص ۶۴۲۔
۶۔ مسلم بن حجاج قشیری: صحیح المسلم، کتاب الایمان، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶ء ص ۳۷، ج ۱
۷۔ القرآن: سورۂ توبہ، آیت ۵۔
۸۔ مسلم بن حجاج قشیری: صحیح المسلم، محولہ بالا۔
۹۔ شلبی، محمد مصطفیٰ، الفقہ الاسلامی اساس التشریع، مصر، اہرام التجاریہ، ۱۳۶۱، ص ۱۴۸، ۱۴۹۔
۱۰۔ القرآن: المائدہ: ۳۸۔
۱۱۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد بن محمد، المغنی، مصر، دارالمنار، ۱۳۶۷ھ، ص ۶۸، ج ۸۔
۱۲۔ ابی داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، ملتان، مکتبہ امدادیہ ۱۳۱۶ھ، ص ۲۵۷، ج ۲۔
۱۳۔ ساجد الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر: اسلامی فقہ کے اصول و مبادی، لاہور، تعمیر ادب پرنٹنگ پریس، ص ۳۹۔
۱۴۔ القرآن: سورۃ البقرہ، آیت ۲۳۴۔
۱۵۔ القرآن: سورۃ الطلاق، آیت: ۴۔
۱۶۔ الشیخ محمد ابوزہرہ، اصول الفقہ، محولہ بالا، ص ۱۱۔
۱۷۔ زیدان، عبدالکریم، ڈاکٹر، الوجیز فی اصول الفقہ، بیروت، مؤسسہ الرسالہ، ۱۹۸۷ء ص ۱۵۔

اطلاع

تمام قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ زیر نظر شمارہ
ربیع الثانی اور جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ
(یعنی مئی جون ۲۰۰۵ء)
کا مشترکہ شمارہ ہے۔ (مجلس ادارت)

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆